خطبہ جمعہ

جب تک آپ کی روح سجدے نہیں کرے گی آپ کی دعائیں مقبول نہیں ہونگی

اپنے گھر کی زندگی کے لئے بکثرت دعائیں کریں تاکہ اللہ کے ذکر سے سارا گھر زندہ ہو جائے

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ فرمودہ ۸ر جنوری ۱۹۹۹ء بمطابق ۸ر صلح ۱۳۷۸ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله۔

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم۔ بسم الله الرحمٰن الرحيم۔

الحمدلله رب العٰلمين۔ الرحمٰن الرحيم۔ مٰلك يوم الدين۔ إياك نعبد و إياك نستعين۔

اهدنا الصراط المستقيم۔ صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين۔

﴿وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ﴾۔ (البقرہ: ۱۸۷)

آج رات سے رمضان مبارک کا آخری عشرہ شروع ہو رہا ہے اور اس عرصے میں اعتکاف بیٹھنے والے خالصتاً لِلّٰہ، اَللہ کی محبت میں اعتکاف بیٹھتے ہیں اور خاص طور پر دعائیں کرتے ہیں۔ تو سب سے پہلے تو میں تمام جماعت کی طرف سے دنیا بھر میں اعتکاف بیٹھنے والے احمدیوں سے دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ ہم بھائیوں کو بھی جو باہر رہے ہیں اعتکاف سے مگر روح کے ساتھ شامل ہیں، ان کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور جماعت کے عمومی مسائل کو بھی پیش نظر رکھتے ہوئے دعائیں کریں۔ خدا کرے کہ یہ اعتکاف کی راتیں نہ صرف ان کا مقدر جگائیں بلکہ جماعت کا اور ساری دنیا کا مقدر جگا دیں۔ اس تمہید کے ساتھ میں اعتکاف سے متعلق بھی کچھ امور بیان کروں گا جن کو معتکفین کو ہر جگہ پیش نظر رکھنا چاہئے اور یہ امور سراسر آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی نصائح کے حوالے سے بیان کروں گا۔ لہٰذا ان پر ظاہری طور پر بھی اور روح کے لحاظ سے بھی پوری طرح عمل ہونا چاہئے۔

اب یہ جو دن آرہے ہیں یہ خاص قبولیت کے دن ہیں، خاص دعاؤں کے دن ہیں اور رمضان مبارک کا معراج ہے۔ یہ جو آخری عشرہ ہے انہی دنوں میں سے ایک دن "لیلۃ القدر" کی رات بھی ہوگی۔ انہی دنوں میں راتوں کو اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خاطر جھکنے اور ان کی دعائیں قبول کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ پس یہ آیت کریمہ جو میں نے تلاوت کی ہے اس میں خصوصیت کے ساتھ یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ یہ اتنی عظیم الشان آیت ہے یعنی دعا کے مضمون پر اتنی جامع مانع کہ انسانی عقل حیرت زدہ ہو کر اس کو دیکھتی ہے۔ کوئی پہلو دعا کا باقی نہیں چھوڑا، کوئی پہلو قرب الٰہی کا نہیں رہنے دیا جس کا ذکر یہاں موجود نہ ہو۔ اور سب سے عظیم الشان بات اس آیت کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت کا ایسا ذکر اس میں موجود ہے کہ اگر انسان غور کرے تو اس کے بعد دنیا میں کسی دہریہ کے سامنے اسے جھکنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اتنا دائمی اور قطعی ثبوت ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اس سے۔ اور یہ سارے امور ایک ہی خطبے میں تو شاید بیان نہیں ہو سکتے۔ لیکن آج اس آیت کی تفسیر میں میں ابھی آپ کے سامنے کچھ باتیں کھولوں گا اور کچھ بہت سے اقتباسات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو اسی مضمون کے گرد گھوم رہے ہیں وہ میں آپ کے سامنے رکھنے کی کوشش کروں گا۔ اگر وقت نہ بچا تو انشاء اللہ اگلے خطبے میں بھی یہی مضمون جاری رہے گا۔

پہلی بات یہ ہے اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم مخاطب ہیں اور اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے جب تجھ سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ تو میں قریب ہوں۔ قریب کے بہت سے معانی بیان ہوئے ہیں لیکن ایک معنیٰ جو میں سمجھتا ہوں بالکل برحق اور اس آیت کے سیاق و سباق کے عین مطابق اور ایک ذرہ بھی اس میں رائے کا دخل نہیں بلکہ یہ آیت اسی طرح کہہ رہی ہے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا قرب مراد ہے۔ آپ کے قرب کی وجہ سے خدا قریب ہے۔ پس وہ بندے جو محمد رسول اللہ ﷺ سے خدا کے متعلق سوال کرتے ہیں تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو دیکھ نہیں رہے کہ ان میں خدا بولتا ہے۔ پس اس پہلو سے یہ عظیم الشان آیت ہے کہ وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں خدا کہاں ہے۔ دکھا دے انکو تو وہ ہے جس میں خدا ہے۔ تیرے اندر خدا بول رہا ہے۔ اور اس کے ثبوت کیا ہیں۔ وہ اس آیت میں آگے پھر پیش کئے جا رہے ہیں۔

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ پہلا ثبوت یہ ہے کہ تیری دعا کب ردّ ہوئی ہے۔ کوئی دعا ہے تیری جو ردّ کی گئی ہو۔ پس تُو ثبوت ہے خدا تعالیٰ کی ہستی کا اور اس بات کا کہ جو دعا تُو کرتا ہے اور جس رنگ میں تُو دعا کرتا ہے وہ دعائیں لازماً مقبول ہونگی۔ پس اس آیت سے جو یہ شبہ پڑتا ہے کہ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ہر کس و ناکس کی دعا مراد ہے۔ اور ہر کس و ناکس یہ کہہ سکتا ہے کہ میری دعا تو قبول نہیں ہوئی، میں نے تو بہت دعائیں کیں اس کا بہترین ردّ یہ ہے۔ الدَّاعِ سے مراد یہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ہیں اور میرے نزدیک اول معنے یہی ہیں۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ اس داعی محمد رسول اللہ کی دعا میں سنتا ہوں جب بھی یہ مجھے پکارتا ہے۔ میں اس کے پاس رہتا ہوں اس کے بعد پھر اور شک کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے اور تمام دنیا کے لئے خدا تعالیٰ کی ہستی کا یہ ایک ایسا ثبوت ہے جس کا کوئی ردّ ہو ہی نہیں سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی دعائیں تو قیامت تک کے لئے مقبول ہیں اور آپؐ کی دعاؤں ہی کا ثمرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام کو دن بدن نئی سے نئی کامیابیاں نصیب ہو رہی ہیں۔ ہر دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی دعائیں اس بات کی گواہ ہیں کہ ایک خدا ہے اور وہ خدا سب سے زیادہ محمدؐ رسول اللہ کا خدا ہے۔ اور جس نے دیکھنا ہو قریب سے خدا کو دیکھ لے محمدؐ میں اس کو خدا دکھائی دے گا۔ یہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی ذات میں ہم خدا کو جلوہ گر دیکھتے ہیں اور اس کی جلوہ گری کے لئے کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں مگر خود محمدؐ رسول اللہ کا وجود، وہ وجود ثابت کر رہا ہے کہ خدا تعالیٰ آپؐ کی ذات میں جلوہ گر ہے۔ پس اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ میں الدَّاعِ محمدؐ رسول اللہ کی دعا کو سنتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے، کبھی بھی اس کو مایوس نہیں کیا۔

فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ۔ پس لوگوں کے لئے حکم ہے فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وہ بھی میری بات کا جواب دیں جیسے محمدؐ رسول اللہ نے جواب دیا۔ میری دعوت پر لبیک کہیں جیسے محمدؐ رسول اللہ نے لبیک کہا تو پھر میں ان سے بھی ایسا سلوک کروں گا۔ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ۔ اب وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ کا مفہوم اس سیاق و سباق میں یہ بنتا ہے کہ ویسا ایمان لائیں جیسے محمد رسول اللہ ایمان لائے تھے۔ محض دور بیٹھے ایمان کے دعوے کر دینا تو بالکل ایک فضول سی بات ہے۔ ایمان وہ جو استجابت کے بعد کا ایمان ہے۔ قبول کرو اللہ کی باتیں پھر ایمان کی باتیں کرو۔ اللہ کی باتیں ہی قبول نہیں تو ایمان کی باتیں کیسے ہو گئیں اور جو اللہ کی باتیں قبول نہیں کرتا وہ قریب بھی نہیں ہے۔ اور جو اللہ کے قریب نہیں، اللہ اس کے قریب کیسے ہو سکتا ہے۔

پس یہ ایک حیرت انگیز طرز بیان ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ قریب کی دعا تو میں ضرور سنتا ہوں پھر میرے قریب تو رہو۔ تم دور بیٹھے ہو تو میں دور بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے، صفات باری تعالیٰ میں یہ دونوں باتیں بیک وقت داخل ہیں کہ وہ سب سے قریب ہے اور سب سے دور ہے، اتنا دور کہ تصور بھی اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ پس تم باتیں تو کرتے ہو قبولیت دعا کی اور مجھ سے دور رہتے ہو یعنی اللہ تعالیٰ گویا یہ فرما رہا ہے جب میری بات کا جواب نہیں دیتے تو معلوم ہوتا ہے تم بہت دور بیٹھے ہو، بہرے ہو گئے ہو، کچھ سمجھ نہیں آتی تمہیں میں کیا کہہ رہا ہوں اور جب مجھ سے مانگتے ہو تو سمجھتے ہو کہ میں تمہارے قریب آ جاؤں گا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ وہی سنت پیروی کے لائق ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے ایک لحہ بھی دور نہیں ہوا اور یہی وجہ ہے کہ ہر لحہ آپ کی دعائیں سنتا تھا۔

فرمایا لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ اگر ہدایت پانی ہے تو یہی طریق ہے۔ اب یہ رمضان کی جو خاص راتیں آ رہی ہیں ان میں اسی طریق پر عمل کرنا ہوگا۔ اگر عمل کریں گے اور اس طریق پر محنت کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ کا وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ پھر سب کو ہدایت نصیب ہو جائے گی۔ یہ کیسے ہدایت نصیب ہوگی، یہ وعدہ کیسے پورا ہوگا اس ضمن میں میں کچھ باتیں ابھی آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ لیکن جیسا کہ میں نے وعدہ کیا تھا سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی وہ حدیثیں پیش کرتا ہوں جو اس آخری عشرہ سے تعلق رکھنے والی حدیثیں ہیں ان میں ان باتوں کا جواب آ گیا ہے۔ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ میں کیا کیا باتیں مراد ہیں، کیسے تم ہدایت پا سکتے ہو، ان دس راتوں سے کیسے استفادہ کر سکتے ہو یہ سب طریق آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی سنت سے اور آپ کے فرمودات سے بالکل ظاہر و باہر ہیں۔

مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۷۵ مطبوعہ بیروت میں یہ روایت ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا عمل کے لحاظ سے ان دس دنوں یعنی آخری عشرہ سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کے نزدیک عظمت والے اور محبوب اور کوئی دن نہیں ہیں۔ یعنی وہ راتیں آرہی ہیں، وہ دن آرہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارے ہیں اور اللہ کے نزدیک یہ دن عظیم ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جانتا ہے کہ ان دنوں میں اللہ تعالیٰ دوسروں کو عظمت عطا کرتا ہے ورنہ اللہ کے حضور کوئی دن عظیم کیسے ہو سکتا ہے۔ عظیم اس نسبت سے ہیں کہ وہ عظیم بنانے والے دن ہیں۔ پس ربّ عظیم سے تعلق بڑھے گا تو بندہ بھی ساتھ ساتھ عظیم بنتا چلا جائے گا۔

پس ان ایام میں نصیحت کیا فرمائی، تہلیل کی۔ پہلی نصیحت یہ ہے کہ ان ایام میں تہلیل پھر دوسری نصیحت تکبیر اور تیسری نصیحت تحمید میں کثرت اختیار کرو۔ حدیث میں تو اختصار سے تہلیل، تحمید اور تکبیر کا ہی ذکر ہے لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ تہلیل کہتے ہیں لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کا کثرت سے ذکر کرو۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا ورد زبان پہ رہنا چاہئے اور ایسا ورد جس کی ضرب کے ساتھ دل دھڑکیں اور انسان محسوس کرے کہ واقعی اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور جب یہ سچے دل سے محسوس کرے گا تو تکبیر از خود اس سے پیدا ہوتی ہے اَللّٰهُ اَكْبَر ، اَللّٰهُ اَكْبَر سب سے بڑا اللہ ہے۔ ایک ہی ہے اور سب سے بڑا ہے۔

ان دو باتوں میں تضاد بھی تو ایک دکھائی دے رہا ہے بظاہر۔ جب ایک ہی ہے تو سب سے بڑا کیا مطلب۔ مطلب ہے وہی ہے، تمام کبر اسی کا ہے باقی چیزیں تو کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں۔ یونہی نظر کے دھوکے ہیں جو دنیا میں دکھائی دے رہے ہیں۔ ایک اللہ ہی کی شانِ کبریائی ہے جو ہر چیز میں جھلکے تو پھر توحید کا صحیح علم ہو سکتا ہے اگر نہ جھلکے تو یہ سب نظر کے دھوکے ہیں، کچھ بھی نہیں۔ تو اکبر خدا ہے جس کی ساری کائنات ملکیت ہے اور تہلیل کے ذریعے اس کا کبر تم پر روشن ہوگا، کن معنوں میں وہ اکبر ہے۔ کن معنوں میں وہ سب سے بڑا ہے۔ اور جو اس کے بندے بن جائیں جو سب سے بڑا ہے لازماً دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو وہ کبریائی نصیب ہو گی جو خدا کے غلاموں کو ہی نصیب ہوا کرتی ہے، جو کبریائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو سب سے زیادہ نصیب ہوئی۔

اور تحمید اَلْحَمْدُلِلّٰه۔ یہ دو باتیں ہوں تو دل سے بے اختیار شکر اٹھتا ہے، جب انسان خدا تعالیٰ کی وحدت کا اعتراف کرے اور دل کی گہرائی سے وحدت کا اقرار کرے اور اس کے نتیجے میں اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے کبریائی نصیب ہو جو صرف غلاموں کو ملتی ہے تو بے اختیار دل سے اَلْحَمْدُلِلّٰه نکلتا ہے۔ یہاں "سب تعریف اللہ کے لئے ہے" دو پہلوؤں سے ہے۔ ایک یہ کہ اپنے نفس کی طرف توجہ نہ جائے، یہ خیال نہ ہو کہ اچھا میں بھی بڑا ہو گیا ہوں۔ فوری طور پر اس کا ازالہ اَلْحَمْدُ سے ہوگا کہ نہیں نہیں تعریفیں تو اللہ ہی کی ہیں، اسی سے ہمیں خیرات ملی ہے، ہمارا تو کچھ بھی نہیں ہے۔ دوسرے اَلْحَمْدُ لِلّٰه ایک جذبۂ شکر کے اظہار کا کلمہ بن گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانے سے اب تک یہی نیک سنت چلی آ رہی ہے کہ جب کوئی اچھی خبر ملے تو بے اختیار منہ سے اَلْحَمْدُلِلّٰه نکلتا ہے۔ تو ان دونوں معنوں میں اَلْحَمْدُلِلّٰه کا وِرد ان دنوں میں بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔

ایک دوسری حدیث صحیح مسلم کتاب الاعتکاف سے لی گئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں بہت زیادہ مجاہدہ فرماتے تھے، اتنا کہ ان دنوں کے علاوہ دوسرے دنوں میں ایسا مجاہدہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الاعتکاف باب الاجتهاد فی العشر الاواخر من شهر رمضان)۔ تو اس لئے ساری دنیا کے احمدیوں کے لئے خاص نصیحت ہے کہ اگر غفلتیں پہلے ہو چکی ہیں تو ان کو چھوڑ دیں۔ اور اب ان دنوں کے مجاہدے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیں۔

مسلم کتاب الذکر میں ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر پر تھے کہ لوگ زور زور سے نعرۂ تکبیر لگانے لگے۔ اب یہاں نعرۂ تکبیر کا ذکر چلا ہے تو اس تعلق میں یہ حدیث پیش نظر رہنی چاہئے۔ زور زور سے نعرۂ تکبیر لگانے لگے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا (ﷺ) 'اے لوگو! میانہ روی اختیار کرو، نہ تو تم کسی بہرے کو بلا رہے ہو اور نہ کسی ایسے کو جو موجود نہ ہو۔ تم پکار رہے ہو اس کو جو سمیع ہے، اس کو جو قریب ہے'۔ (صحیح مسلم کتاب الذکر باب استحباب خفض الصوت بالذکر)۔ اب اس نصیحت سے ہمیں قرب کے معنے بھی نصیب ہو گئے اور یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ساتھ، آپؐ کے صحابہ کے بھی قریب تھا۔ بہت بڑی خوش خبری ہے یہ صحابہ کے لئے۔

فرمایا تم اس کو پکار رہے ہو جو تمہارے قریب ہے۔ محمدؐ رسول اللہ بھی قریب تھے جن میں خدا تھا اور محمدؐ رسول اللہ کی وساطت سے، آپؐ کے طفیل سارے صحابہ بھی خدا کے قریب تھے اور ان میں بھی خدا جلوہ گر تھا۔ تو جب خدا تمہارے اندر ہے اور دُور نہیں اور بہرہ نہیں ہے کہ قریب بیٹھے بھی زور سے کہنا پڑے کہ اچھا یہ بات ہماری سن لے وہ تو دلوں کا حال جانتا ہے۔ فرمایا سمیع ہے اور قریب ہے ہر بات کو سنتا ہے خواہ وہ اونچی کہی جائے یا ہلکی، خفیف کی جائے اور وہ دور نہیں ہے اس لئے تم اسے پکارتے وقت دل کی گہرائی سے پکارو مگر اونچی آواز سے پکارنا ضروری نہیں ہے۔ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ نے اونچی آواز سے بھی تکبیر بلند کی ہے مگر خدا کو سنانے کے لئے نہیں، لوگوں کو سنانے کے لئے جن پر تکبیر کا رعب جاری کرنا ضروری تھا۔ پس ایسے مواقع پر تکبیر بلند کی جاتی ہے ان کو سنانے کے لئے جو خدا کے ذکر سے بہرے ہوں تا کہ تکبیر کی اتنی بلند چوٹ ان کے دل پر پڑے کہ شاید دل جاگ جائیں، شاید اس کھٹکھٹانے سے اللہ کا ذکر ان کے دلوں میں داخل ہو سکے۔

بخاری کتاب الصوم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک یہ حدیث ہے۔ جب رمضان آخری دس دنوں میں داخل ہوتا یا جب آخری عشرہ شروع ہوتا تو آنحضرت ﷺ اپنی کمر ہمت کس لیتے تھے اور اپنی راتوں کو زندہ فرماتے اور اپنے اہل وعیال کو بھی عبادت کے لئے جگاتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الصوم، باب العمل فی العشر الاواخر من رمضان)۔ اہل وعیال کو عبادت کے لئے جگانا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا عام دستور تھا اور آپ کی راتیں زندہ ہی رہا کرتی تھیں اس پر مزید کوشش اور مزید توجہ اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔ پس وہ لوگ جو پہلے بھی تہجد گزار ہیں ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان دس دنوں کے تہجد میں کوئی نئی بات آنی چاہئے جو پہلے تہجد ادا کیا کرتے تھے ان میں نہیں تھی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے تہجد میں تو سب چیزیں تھیں اس کے باوجود آپ ان دس راتوں میں خاص محنت فرمایا کرتے تھے اور اس کی وجہ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ اِنِّی قَرِیْبٌ۔

قریب ہوتے ہوئے پھر اور بھی قریب ہونے کا وعدہ، اس کا کیا مطلب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا قرب لامتناہی ہے۔ یہ وہم دل سے نکال دینا چاہئے کہ ہم قریب ہو گئے اور بس کافی ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم بھی اللہ کے ایسے قریب نہیں ہوئے کہ اس سے آگے قرب ممکن نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم بھی جامد اور خدا بھی جامد ہو جاتا حالانکہ محمدؐ رسول اللہ پر جو خدا جلوہ گر ہوا وہ جامد نہیں ہے، ایک جگہ ٹھہرا ہوا نہیں ہے، وہ قرب میں بھی بڑھتا ہے۔ جب انسان سوچتا ہے کہ اس سے زیادہ قرب ممکن نہیں پھر اور قرب کے نظارے دیکھتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اس قرب میں ہمیشہ بڑھتے رہے ہیں، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ایک مقام پر، قربِ الٰہی کے مقام پر آ کر آپؐ ٹھہر گئے تھے۔ پس اس لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو مزید قُرب کے وعدے دیئے اور باقی جتنے تہجد گزار، خدا کی راہیں تلاش کرنے والے ہیں ان کے لئے اس میں بڑی نصیحت ہے وہ اور قرب ڈھونڈیں۔

کسی ایک قرب کے تصور پر ٹھہر جانا کافی نہیں ہے۔ یہ مادی معشوقوں کا کام ہے کہ ان کے قریب ہوتے ہوتے ایک جگہ جا کر آپ ٹھہر جایا کرتے ہیں۔ اور جہاں ٹھہرے وہیں سے عشق مرنا شروع ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا عشق دائمی ہے اور اس کے قرب میں کوئی مقام نہیں ہے جہاں ٹھہر جائیں اور خدا کا عشق مرنا شروع ہو جائے۔ پس یہ سارے مضامین آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی اس سنت میں شامل ہیں کہ آپ کمر ہمت کس لیا کرتے تھے جیسے کوئی مشقت کے کام کے لئے اپنے ازار بند کو زور سے کس لیا کرتا ہے۔ اس کو عربی محاورے میں کہتے ہیں کمر ہمت کسنا۔ پس آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم بھی کمر ہمت کس لیا کرتے تھے۔

جہاں تک آپؐ کے اعتکاف بیٹھنے کا تعلق ہے اس کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہماری رہنمائی کر رہی ہے، مسند احمد بن حنبل سے لی گئی ہے، کہ رمضان کے آخری عشرے میں آپ نے اعتکاف کیا۔ آپ کے لئے کھجور کی خشک شاخوں کا حجرہ بنایا گیا۔ یاد رکھیں کہ اس زمانے میں مسجد نبوی میں اتنی بڑی گنجائش تھی کہ آج کل کی مسجدوں میں آپ سوچ بھی نہیں سکتے، بہت وسیع ہے مسجد نبوی۔ اس میں جگہ جگہ الگ الگ خیمے نصب ہوا کرتے تھے، الگ الگ حجرے بنائے جاتے تھے اور بالعموم ایک کی آواز دوسرے کی خلوت میں مخل نہیں ہوا کرتی تھی، یہ دستور تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دن آپؐ نے باہر جھانکتے ہوئے فرمایا۔ اسے اب تمام معتکفین غور سن لیں آپؐ نے کیا فرمایا۔ نمازی اپنے رب سے راز و نیاز میں مگن ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کو سنانے کے لئے قرأت بالجہر نہ کرو، حدیث کے الفاظ ہیں "لَاَ یَجْهَرَ بَعْضُكُم عَلٰی بَعْضٍ بِالقِرَاءَ ةِ" یعنی اس کے دونوں معانی بن سکتے ہیں۔ اپنی قراءت سے کسی دوسرے قاری کی قراءت میں مخل نہ ہو۔ اور ایک ترجمہ جو عام چلا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ کسی کو سنانے کے لئے۔ تو یہ جو عام طور پر اعتکاف کا دستور ہے اس میں ہم نے کبھی نہیں سنا کہ کوئی ایک حجرے میں بیٹھا ہوا کسی دوسرے کو سنانے کے لئے قرآن پڑھتا ہے۔ یہ کوئی قرآن کلاس تو نہیں لگی ہوئی مگر دوسرا پہلو درست ہے کہ اگر اونچی آواز سے تلاوت کرے گا تو وہ دوسرے کی تلاوت میں مخل ہوگا اور یہ خدا سے راز و نیاز کی راتیں ہیں ان میں کسی کو یہ حق نہیں کہ چاہے قرآن کی تلاوت ہی کے ذریعے مگر کسی کے جو راز و نیاز کے لمحے ہیں ان میں وہ مخل ہو جائے۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے جو اپنے خیمے سے نکل کر یہ بات فرمائی تو دو باتیں قطعی ہیں۔ ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی قراءت کی آواز دوسرے خیموں کو نہیں پہنچتی تھی اگر پہنچتی تو آپ یہ نصیحت فرما ہی نہیں سکتے تھے۔ تو قرآن کی قراءت سے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو محبت ہو سکتی ہے۔ آپ کی قراءت کی آواز تو خیمے کے دائرے میں ہی رہے اور کسی دوسرے خیمے میں دخل نہ دے لیکن دوسروں کی آوازیں دخل دیں یہ تب ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے خیمے تک بھی وہ آواز پہنچتی ہو۔ پس آپ نے سنا اور ناپسند فرمایا اور باقیوں کے لئے بھی اس حوالے سے ایک حفاظت کا سامان فرما دیا کہ ہر ایک کا یہ حق ہے کہ اللہ کے راز و نیاز کے معاملہ میں وہ الگ اور مخفی رہے اور کوئی دوسرا اس کی عبادت میں مُخل نہ ہو۔

اب یہ بات ہمارے معتکفین کو پیش نظر رکھنی چاہئے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی عبادت کے

وقت، گریہ وزاری کے وقت یا تلاوت کے وقت یہ باتیں بھول جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ہمیشہ شکایت پیدا ہوتی رہتی ہے۔

اب ایک حدیث ہے ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ سے لی گئی ہے اور حضرت فَضَالَہؓ بن عُبَید سے یہ روایت ہے۔ حضرت فَضَالَہؓ بن عُبَید روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو اپنی نماز میں دعا کرتے ہوئے سنا۔ اس نے نہ تو اللہ کی حمد وثنا کی اور نہ ہی نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا۔ پس وہ جو اپنی دعاؤں کو مقبول بنانا چاہتے ہیں اس نصیحت کو غور سے سن لیں کہ رمضان کی دعائیں مقبول تو ہونگی لیکن پہلے تسبیح وتحمید اور درود پڑھنا بہت ضروری ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا اس نے جلد بازی سے کام لیا ہے یعنی فوراً اپنے مطلب کی بات پہ آگیا اور یہ بھول گیا کہ جس رستے سے وہ مطلب کی بات کہنی چاہئے تھی جس کے نتیجے میں وہ بامراد ہوتا وہ رستہ اختیار کرنا بھول گیا تو شارٹ کٹ (Short Cut) کر کے جس جگہ پہنچنا چاہتا تھا وہاں پہنچنے کی کوشش کی اور شارٹ کٹ والے بعض دفعہ پھسل کے نیچے ہی جا پڑتے ہیں اصل مقصد کو حاصل ہی نہیں کر سکتے تو ہر چیز کا ایک طریق مقرر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اگر اپنی دعاؤں کو مقبول بنانا چاہتے ہو تو یہ طریق اختیار کرو۔ کیا طریق ؟۔ آپؐ نے اسے بلایا اور اسے یا اس کے علاوہ کسی اور سے فرمایا۔ یہ راوی کہتا ہے کہ مجھے اب یاد نہیں اسے بلایا، مخاطب ہی اسی کو کیا تھا یا کسی اور کو کیا اور وہ سن رہا تھا۔ 'جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو اپنے رب کی حمد وثنا سے شروع کرے۔ کبھی بھی اس کے بغیر دعا نہ مانگے۔ پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے۔ پھر نبی ﷺ پر درود بھیجے'۔ یہاں نبی کریم کا لفظ تو میں نے داخل کیا ہے اپنی طرف سے عزت کی خاطر۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ثُمَّ یُصَلِّی عَلَی النَّبِیِّ فرمایا اور ساتھ ﷺ بھی فرمایا۔ یہاں اپنی ذات کو جدا کر کے ہمیں سکھانے کی خاطر ﷺ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں کیونکہ اصل روایت میں بغیر نہ اسی طرح درج ہیں۔ یہ کہنے کے بعد ثُمَّ یَدْعُوْ بَعْدُ مَا شَآءَ 'یہ جب کرے گا پھر جو دعا چاہے کرے'۔ ''جو دعا کیجئے قبول ہے آج'' والی بات ہوگی پھر، اس وقت جو دعائیں ہیں وہ پھر مقبول دعائیں ہونگی۔ (سنن ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب الدعا)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے قبولیت دعا کے تعلق میں ایک خاص موقع کا ذکر فرمایا کہ ایسے موقع پر دعا زیادہ قبول ہوتی ہے وہ کون سا موقع ہے ؟۔ سجدے کی حالت۔ مسلم کتاب الصلوٰۃ میں یہ حدیث ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا انسان اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب سجدے میں ہو اس لئے بہت دعا کیا کرو۔

(مسلم کتاب الصلوٰۃ باب مایقول فی الرکوع والسجود)

اب اس حدیث کا بعض دوسری احادیث سے بظاہر ایک تضاد دکھائی دے رہا ہے اور وہ احادیث وہ ہیں جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دوسری امہات المومنین اور صحابہ کی روایات میں درج ہے کہ بعض دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم تقریباً ساری رات خدا کے حضور کھڑے گزار دیتے تھے یہاں تک کہ پاؤں سوج جایا کرتے تھے۔ اب سجدہ کی حالت اور کھڑے ہونے کی حالت کا یہ فرق کیا ہے ؟۔ یہ میں سمجھانا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ سجدے ہی کی حالت میں ہوتے تھے۔ اصل سجدہ روح کا سجدہ ہے۔ ظاہری سجدہ بھی ایک قرب کا نشان بن جاتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے سجدوں کے لمبے ہونے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ لیکن اکثر روایتوں میں رات کے لمبے قیام کا ذکر ضرور ملتا ہے۔

پس یہ خیال کر لینا کہ سجدہ ایک الگ حالت تھی اور قیام ایک الگ حالت تھی اس لئے درست نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی روح کبھی بھی سجدے سے الگ نہیں ہوئی۔ پس آپ کی روح سجدہ ریز رہتی تھی خواہ جسم کھڑا ہی ہو اور آپ فرما رہے ہیں کہ سجدے کی حالت میں اللہ قریب تر ہوتا ہے۔ پس اللہ آپؐ کے قریب تر تھا۔ آپؐ بھی خواہ کھڑے ہو کر نمازیں پڑھیں خواہ بیٹھ کر خواہ سجدہ جو ظاہری سجدہ ہے سجدہ کرتے ہوئے یہ بات یاد رکھیں کہ **جب تک آپ کی روح سجدے نہیں کرے گی آپ کی دعائیں مقبول نہیں ہونگی**۔ جب تک روح سجدے نہیں کرے گی اللہ کے قرب کے نظارے نہیں دیکھ سکتے۔

ایک اور طریق آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے قبولیت دعا کا بیان فرمایا وہ آج کل کے دنوں سے پہلے آج کل کے دنوں کی تیاری سے تعلق رکھتا ہے۔ آج کل ہم چاہتے ہیں ہماری دعائیں قبول ہوں اور اسی طرح مصیبت کے وقت ہم چاہتے ہیں ہماری دعائیں قبول ہوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب فراخی کے دن ہوں، جب تمہیں ضرورت نہ ہو پھر اللہ کے پاس جاؤ اور مناجات کرو تو یہ ہو نہیں سکتا کہ تمہیں ضرورت ہو اور اللہ تمہیں بھول جائے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے یہ دن خاص قبولیت کے دن اور قرب کے دن اس لئے تھے کہ عام دن بھی تو ایسے ہی تھے کبھی بھی آپ کے اوپر کوئی ایسی فراغت کا دن نہیں آیا جب کہ اللہ کی یاد سے مستغنی ہوئے ہوں۔ اور ضرورت پڑنے سے پہلے ہی ضرورتوں کے لئے دعائیں کیا کرتے تھے۔ اور یہ سنت ایسی عظیم الشان ہے کہ امت محمدیہ کے لئے قیامت تک کے لئے جتنی ضروریات پڑنی تھیں ان کے تصور سے ہی رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق دعائیں مانگ لیں۔

تو وہ خدا آپ کی دعاؤں کو کیسے رد کرے گا جبکہ ابھی ضرورت پڑی ہی نہیں اور ان کے لئے دعائیں شروع کر رکھی ہیں تو جب بھی ضرورت پڑے گی اللہ کو یہ شخص قریب پائے گا۔ یعنی قریب تو رسول اللہ ﷺ کے ہوتا ہے مگر ہم اسے قریب دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ یعنی عجیب مضمون ہے کہ چودہ سو سال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی دعا اس طرح قبول ہو رہی ہے کہ ہم خدا کو قریب دیکھ رہے ہیں مگر قریب محمدؐ رسول اللہ کے ہوتا ہے، ﷺ۔ اور اسی قرب کے نظارے ہم دیکھتے ہیں۔

پس فراخی اور آرام کے وقت آپ بھی یہی طریق سیکھیں۔ وہ دعائیں کیا کریں جو دو پہلو رکھیں۔ ایک یہ کہ فراخی اور آرام ہو اور آپ کو حاجت نہ ہو اللہ سے، پھر بھی اللہ کی حاجت ہو۔ یہ مضمون جو ہے نا اللہ کی حاجت کا یہ اس آیت کریمہ میں مندرج ہے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں 'جب مجھے پکاریں' حاجت روائی کا ذکر وہاں نہیں ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ مجھے کسی حاجت روائی کی خاطر پکاریں۔ یہ فرمایا مجھے تلاش کرتے پھریں، مجھے پکار رہے ہوں، میں مقصود ہوں اگر یہ ہو تو یہ عام دنوں میں جبکہ خدا کی ضرورت نہیں ہے اس وقت بھی تو خدا کی تلاش ہونی چاہئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے یہ مضامین ہیں جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ بات فرمائی کہ آسانی اور فراخی کے دنوں میں، کشادگی کے دنوں میں جب تمہیں ضرورت کی خاطر خدا نہ یاد آئے، خدا کی خاطر یاد آئے اس وقت پکارو تو تمہاری ہر مشکل میں وہ تمہارے ساتھ رہے گا۔

پھر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث ہے بخاری کتاب الدعوات سے لی گئی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کی مثال جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور اس کی جو اس کا ذکر نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی مثال کی طرح ہے۔ (بخاری کتاب الدعوات باب فضل ذکر اللہ تعالیٰ)۔ پس چاہئے کہ تم زندہ ہو اور ذکر الٰہی سے تمہاری زندگی وابستہ ہو۔ ویسے دنیا میں چلتے پھرتے ہو، کھاتے پیتے ہو، کھاؤ پیو گے جو عیش عارضی مقدر ہے وہ ملے گا یا جو دکھ تمہارے قسمت میں ہیں وہ ملیں گے اور مر جاؤ گے مگر وہ شخص جو اللہ سے زندگی پاتا ہے جو اللہ کے ذکر سے زندہ ہے وہ مرتا نہیں ہے۔ یہ مضمون ہے جو دراصل اس میں بیان ہوا ہے ورنہ تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس نے اللہ کا ذکر کیا وہ بھی مر گیا اور جس نے نہیں کیا وہ بھی مر گیا۔ جس نے اللہ کا ذکر کیا وہ کبھی نہیں مرتا کیونکہ اللہ کبھی نہیں مرتا اور اللہ کے ذکر سے وہ شخص ہمیشہ کی زندگی پا جاتا ہے جو اس دنیا کی زندگی سے بھی تعلق رکھتی ہے اور آخرت میں بھی سچی زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔

صحیح مسلم میں اسی مضمون کی روایت یوں ہے۔ آپؐ نے فرمایا **اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور جس گھر میں اس کا ذکر نہیں کیا جاتا زندہ اور مردہ کی مثال کی طرح ہے**۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استحباب صلاۃ النافلۃ فی بیتہ و جواز ھا فی المسجد) اس سے ہمیں اس طرح توجہ پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر ایک گھر میں رہتے ہوئے کچھ مردے بھی ہوں جو ذکر الٰہی نہیں کرتے تو وہ جو ذکر الٰہی کرتے ہیں ان کا فیض ان کو پہنچ سکتا ہے۔ پھر اللہ اس گھر کو زندہ کر دے گا تو اس میں دوسرے بھی ہونگے وہ بھی کچھ فیض اس کا پا سکتے ہیں۔ تو **خاص طور پر ایسے لوگ جن کی اولاد میں، جن کے بچوں میں، جن کے عزیزوں میں اللہ کے ذکر سے غافل لوگ ہیں وہ اس خیال سے اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے گھر کی زندگی کے لئے بکثرت دعائیں کریں تا کہ اللہ کے ذکر سے سارا گھر زندہ ہو جائے** صرف ان کی اپنی زندگی پر ہی اکتفاء نہ ہو۔

ایک حدیث ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور یہ وہ حدیث ہے جس کے تعلق میں میں پہلے ہی ساری جماعت کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کر چکا ہوں۔ ان دنوں میں خاص طور پر دعا ہونی چاہئے اور اس دعا کی جو خاص اہمیت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے اس فعل سے ثابت ہوتی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عمرہ کے لئے میں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت چاہی۔ آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی اور ساتھ ہی فرمایا۔ میرے بھائی! ہمیں اپنی دعاؤں میں نہ بھولنا۔ کتنا عظیم الشان وجود ہے وہ جو سب دنیا کے لئے دعائیں کرتا رہا، پہلوں کے لئے اور آخرین کے لئے بھی اور قیامت تک اس کی دعائیں ہمارا سرمایہ ہیں عجز کا مقام دیکھیں، انکساری کا

مقام دیکھیں۔ حضرت عمرؓ سے فرماتے ہیں، میرے بھائی !اپنی دعاؤں میں نہ بھولنا۔ حضرت عمرؓ اس عظیم الشان کلام کی معرفت کو سمجھتے تھے اور جب آپ کو مخاطب کر کے آپ نے یہ کہا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور کی بات سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر اس کے بدلے مجھے ساری دنیا مل جائے تو میں اتنا خوش نہ ہوں۔ (ترمذی کتاب الدعوات) ۔دعا کے لئے کہنے سے کیوں خوشی ہوئی اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو اپنے لئے دعا کا یہ جو پروانہ دیا ہے اس سے آپ کو قبولیت دعا کی خوشخبری بھی تو مل گئی۔ اگر آنحضرت ﷺ کو عمرؓ کی دعاؤں کی مقبولیت کا خیال نہ ہوتا اور جس خلوص نیت سے آپؓ جا رہے تھے عمرے کے لئے تو کبھی آپ عمرؓ کو اپنے لئے دعا کے لئے اس وقت نہ کہتے۔ حضرت عمرؓ کا عرفان بھی دیکھیں کہ جیسے رسول اللہ ﷺ کو خدا کا عرفان تھا خدا کے اس بندے کا کچھ عرفان عمرؓ کو بھی تھا اور یہی وجہ ہے کہ خوش ہوئے۔ ورنہ ہر شخص کہے کہ جی مجھے دعا کے لئے کہا ہے میں بہت خوش ہو گیا ہوں اس میں اس کی بڑائی نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ خوش ہو رہا ہے یعنی حضرت عمرؓ کے اندر کوئی بڑائی کا خیال نہیں تھا جس کی وجہ سے خوش ہو رہے ہیں کہ دیکھو جی رسول اللہ مجھے دعا کے لئے کہتے ہیں میں کتنا بڑا ہوں۔ خوش اس لئے ہو رہے ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ جانتے تھے کہ محمدؐ رسول اللہ کا دعا کے لئے کہنا ایک خوشخبری ہے کہ میری دعائیں قبول ہو جائیں گی اس کے مقابل پر ساری دنیا مل جاتی تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

اب لیلۃ القدر بھی شاید انہی راتوں میں آئے گی اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس کو نصیب ہو گی، کس کو نہیں ہو گی مگر جس کو بھی نصیب ہو یا کم سے کم یہ خیال ہو کہ یہ لیلۃ القدر مجھے نصیب ہو جائے گی اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی اس دعا کو کبھی نہیں بھولنا چاہئے جو لیلۃ القدر کی دعاؤں کی جان ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ لیلۃ القدر ہے تو اس میں کیا دعا مانگوں۔ پتہ لگ جائے، احساس پیدا ہو جائے اور یہ ایک ایسا احساس ہے جو بعض دفعہ دل پر اتنی قوت سے قبضہ کر لیتا ہے کہ صرف وہی جانتا ہے جس کے دل پر گزر رہی ہو کہ مجھے لیلۃ القدر نصیب ہو گئی۔ فرمایا اس وقت یہ دعا کرنا۔ الفاظ یہ ہیں اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی۔(جامع ترمذی کتاب الدعوات)۔اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی،اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی۔

اے میرے خدا تو بہت بخشنے والا ہے، بہت ہی درگزر فرمانے والا ہے۔ تُحِبُّ الْعَفْوَ اور درگذر ہی کو پسند فرماتا ہے فَاعْفُ عَنِّی پس مجھ سے درگزر فرما۔ یہاں جو ترجمہ کرنے والوں نے ترجمہ کیا ہے اسمیں 'بخش دے' کے لفظ لکھے گئے ہیں حالانکہ عَفُوٌّ کا مطلب یہاں بخشنا نہیں ہے، بخشش سے پہلے کا مقام ہے اور اگر یہ نصیب ہو جائے تو پھر انسان بخشا ہی گیا۔ عَفُوٌّ کا مطلب ہے تو ہماری، تمام مخلوقات کی کمزوریوں سے صرفِ نظر کرنے والا ہے اور اپنے بندوں کی کمزوریوں سے بھی صرفِ نظر فرماتا ہے اور جب انسان صرفِ نظر کرے کمزوری سے تو گویا وہ کمزوری ہے ہی نہیں۔ تو بخشش سے پہلے کا مقام ہے عفو کا۔ اگر عفو نصیب ہو جائے تو بخشش گویا ویسے ہی نصیب ہو گئی، عفو کی برکت سے ہی نصیب ہو گئی۔

تو یہاں رسول اللہ ﷺ نے فَاغْفِرْلِی کی دعا نہیں سکھائی۔ کوئی نادان یہ کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بخشش کی دعا کا ہی نہیں کہا اور ترجمہ کرنے والوں نے اپنی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی دعا کو کامل بنانے کے لئے ساتھ بخشش کا بھی لفظ لکھ دیا ہے حالانکہ بغیر بخشش کے اظہار کے عَفُوٌّ اپنی ذات میں کامل ہے اور اوّلیت رکھتا ہے۔ اگر اللہ ساری عمر اپنے بندے سے عفو کا سلوک کرے اور اس کے گناہوں سے صرفِ نظر کرتا رہے تو اس کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ دو نتیجے نکل سکتے ہیں ایک اچھا اور ایک برا۔ اچھا نتیجہ تو یہ ہے کہ عفو کے نتیجے میں انسان کے دل میں اس کی عظمت اور محبت بڑھتی چلی جائے اور دن بدن کوشش کرے کہ کوئی موقع نہ آئے کہ وہ میرے گناہوں کی وجہ سے مجھ سے نظر پھیر رہا ہو۔ یہ وہ نتیجہ ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ متوجہ فرما رہے ہیں اور لیلۃ القدر کی دعا میں اس سے بڑھ کر دعا اور کیا ہو سکتی ہے۔

دوسرا نتیجہ ہوتا ہے گناہ پر دلیری۔ آپ گھر میں جانتے ہیں بچوں کو ان کی غلطیوں پر کبھی بھی نہ پکڑیں، ہمیشہ ہی صرفِ نظر سے کام لیں تو گناہوں پر بہت دلیر ہو جائیں گے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم لیلۃ القدر کی رات کو گناہوں کی دلیری کی دعا تو نہیں بتا رہے تھے اس لئے وہ مفہوم اس میں شامل ہے جو میں عرض کر رہا ہوں۔ اس پہلو سے عفو، غفران سے بڑھ کر ہے یعنی جب بھی خدا عفو کا سلوک کرے اچانک آپ کی توجہ اس طرف ہو اور بعض دفعہ انسان محسوس کر لیتا ہے اور غلطی کرتے وقت انسان کہتا ہے کہ میں غلطی کر رہا ہوں اچانک خیال آئے کہ او ہو ایک خدا ہے جو مجھے دیکھ رہا ہے اور دعا دل سے نکلے کہ وہ صرفِ نظر فرما لے اس کے بعد جب بھی غلطی ہونے لگے گی یہ خیال دل میں ضرور گزرے گا۔

اور پھر یہ خیال بھی تو گزرنا چاہئے کہ اللہ کی نظر کے فیض سے میں کسی لمحہ میں کیوں الگ رہوں محض اس لئے کہ میں کمزور ہوں اور گناہوں میں بار بار مبتلا ہوتا ہوں یہ اس کا ایک طبعی نتیجہ ہے، ایک منطقی انجام ہے اس دعا کا جس کے نتیجے میں انسان یہ چاہتا ہے کہ اللہ کبھی بھی صرفِ نظر نہ فرمائے یعنی گناہوں کی وجہ سے صرفِ نظر نہ فرمائے، گناہوں کی توفیق ہی نہ ملے ہمیں اور پھر ہم خدا کی نظر اس طرح اپنے اوپر پڑتی دیکھیں کہ وہ پوری نظر سے ہمیں دیکھ رہا ہے یہ عفو کے خلاف نہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو یہ دعا کرتے ہیں کہ ہر حال میں اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِی پاک ہے وہ جو ہمیشہ مجھے دیکھتا ہے۔ تو اس سے یہی مراد ہے کہ میں نے تو اللہ کی خاطر اپنے دل کو ایسا مانجھا ہے، ایسا صاف کیا ہے اور اللہ بھی مجھ سے ایسا سلوک فرماتا ہے کہ اگر کوئی کمی رہ بھی گئی ہے تو اس سے صرفِ نظر فرما لیتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اب یہ تمنا رکھتا ہوں کہ ہر حال میں، ہر پہلو سے میرے اندر ہونے کے ہر حصے پر خدا نظر ڈالتا رہے اور ہمیشہ میری حفاظت فرماتا رہے۔

پس یہ وہ دعا ہے جس کو مانگتے وقت اپنی راتوں میں اس مضمون کو ضرور پیش نظر رکھیں ورنہ اگر یہ دعا مانگی گئی کہ اے خدا ہم گناہ کرتے رہیں اور تو صرفِ نظر کرتا رہے تو یہ گناہ پر دلیری دلائے گی، گناہ سے نفرت نہیں دلائے گی۔ پس اب اس مضمون کو پیش نظر رکھ کر میں پھر اس دعا کو دوہراتا ہوں، اگر عربی لفظ یاد نہیں تو اردو مضمون کو یاد رکھ کر اس کو پیش نظر رکھیں۔ اے میرے اللہ تو عفو کرنے والا ہے۔ اِنَّکَ عَفُوٌّ۔ عفو کا اصل مطلب ہے مجسم عفو ہے یعنی کامل عفو ہے اس سے بڑھ کر عفو کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ تُحِبُّ الْعَفْوَ تو عفو سے محبت کرتا ہے فَاعْفُ عَنِّی پس مجھ سے بھی تو عفو فرما۔ یہ دعا ان معنوں میں اس تمہید کے ساتھ جو میں نے بیان کی ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر آپ دعا مانگیں تو ان دعاؤں میں ہم سب کو شامل رکھیں، ساری جماعت کو شامل رکھیں اور ساری دنیا کو بھی اپنی دعاؤں میں شامل رکھیں کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ اس رمضان کے فیض سے جماعت احمدیہ سب دنیا کو فیضیاب کرنے والی ہو۔

اب میں آخر پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اقتباس آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ اقتباس تو اور بھی بہت سے تھے لیکن یہ انشاء اللہ آئندہ یہی مضمون جاری رہے گا کیونکہ ایک جمعہ رمضان کا آنے والا ہے جسے لوگ جمعۃ الوداع کہا کرتے ہیں اور جس کے تعلق میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ اسے جمعۃ الاستقبال کہنا چاہئے۔ وداع نہیں، استقبال۔ بڑھ چڑھ کر اس کا استقبال کریں کیونکہ ایسا جمعہ پھر آپ کو نصیب نہیں ہو گا اور یہ استقبال اس طرح کریں کہ آپ کے پاس ہی ٹھہر جائے یعنی اس کی برکتیں آپ کے لئے ہو جائیں۔ بعض دفعہ آپ بڑے لوگوں کا استقبال کرتے ہیں آئے اور چلے گئے وہ استقبال بھی ہے اور وداع بھی ہے۔ لیکن اگر کسی ایسے محبوب کا استقبال کریں کہ اس کو اپنے گھر ہی میں بٹھا لیں، اپنے دل سے پھر جدا نہ ہونے دیں تو یہ استقبال ایک اور شان کا استقبال ہے۔ پس اگلے جمعہ میں، میں ان معنوں میں اسے استقبال کا جمعہ کہتا ہوں کہ ایسا استقبال کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی محبت اور آپ کی چاہتوں کے پیش نظر آپ ہی کے پاس ٹھہر جائے اور رمضان کی یہ ساری برکتیں سارا سال آپ کی ہو جائیں۔

اس تمہید کے ساتھ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقتباسات شروع کرتا ہوں۔ ایک اقتباس کا تھوڑا سا حصہ بیان کر سکوں گا باقی انشاء اللہ اگلے جمعہ کے خطاب کے وقت۔

"جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں"۔ یہ اسی آیت کی تفسیر ہے جو کچھ تفسیر میں پیش کر چکا ہوں۔ "جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں کہ خدا کے وجود پر دلیل کیا ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ میں بہت نزدیک ہوں یعنی کچھ بڑے دلائل کی حاجت نہیں۔ میرا وجود نہایت اَقرب طریق سے سمجھ آ سکتا ہے اور نہایت آسانی سے میری ہستی پر دلیل پیدا ہوتی ہے اور وہ دلیل یہ ہے کہ جب کوئی دعا کرنے والا مجھے پکارے تو میں اس کی سنتا ہوں اور اپنے الہام سے اس کی کامیابی کی بشارت دیتا ہوں"۔ یہ وہ دوسرا مفہوم ہے جو میں نے عرض کیا تھا اس کے علاوہ ہے یعنی اگر تم خدا تعالیٰ کی ہستی کی دلیل چاہتے ہو تو خود ایسے بن جاؤ کہ اللہ تمہاری سننے لگے۔ جب وہ سننے لگے گا پھر تم دلیل بنو گے خدا کی ہستی کی اگر وہ نہیں سنے گا یعنی تم اس سے دور رہو گے تو تم خدا کی ہستی کے لئے کسی دلیل کے طور پر پیش نہیں کئے جا سکتے۔

"جب کوئی دعا کرنے والا مجھے پکارے تو میں اس کی سنتا ہوں اور اپنے الہام سے اس کی کامیابی کی بشارت دیتا ہوں"۔ اب ظاہر بات ہے کہ جو خدا کے قریب ہو گا اس عشرے میں، اللہ اس کو اپنا مقرب بنائے گا اس کو کئی قسم کی بشارتیں رویاءِ صالحہ کے ذریعے دے گا، کشوف کے ذریعہ دے گا، الہامات کے ذریعہ دے گا۔ فرماتے ہیں "جس سے نہ صرف میری ہستی پر یقین آتا ہے بلکہ قادر ہونا بھی بپایۂ یقین پہنچتا ہے"۔ یعنی صرف اس طریق پر تمہیں یہ سمجھ آئے گی کہ خدا موجود ہے بلکہ جب وہ تمہاری دعائیں سنے گا تو قادر بھی تو ہو گا۔ آواز کا جواب دیتا ہے اور اس کو قبول جب کر لیتا ہے جو تم اس سے مانگتے ہو وہ دے دیتا ہے تو بغیر قدرت کے وہ کیسے دے سکتا ہے۔ پس ایسی دعائیں مانگو کہ خدا سنے بھی اور اس کی قدرت کا نشان بھی اس سے ظاہر ہو۔

"لیکن چاہئے کہ لوگ ایسی حالت تقویٰ اور خدا ترسی کی پیدا کریں کہ میں ان کی آواز سنوں اور نیز چاہئے کہ وہ مجھ پر ایمان لاویں اور قبل اس کے جو ان کو معرفتِ تامہ ملے اس بات کا اقرار کریں کہ خدا موجود ہے اور تمام طاقتیں اور قدرتیں رکھتا ہے کیونکہ جو شخص ایمان لاتا ہے اسی کو عرفان دیا جاتا ہے"۔ پس چونکہ اس اقتباس کے علاوہ دوسرے اقتباسات کا اس وقت وقت نہیں ہے اس لئے انشاء اللہ اگلے خطبہ میں کسی نئے مضمون کو شروع کرنے کی بجائے یہی مضمون جاری رہے گا اور یہاں سے آگے اقتباسات چلیں گے۔